یہ وہ ضروری امور ہیں جن سے شہادت کو شرعی طور پر پرکھا جاتا ہے۔

شہادت کو فنی طور پر پرکھنا۔

شہادت کو فنی طور پر پرکھنے کا مطلب یہ ہے کہ علم فلکیات کے حسابات کی روشنی میں چاند کا نظر آنا ممکن ہو (اگرچہ ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر نہ آئے) اور اگر علم فلکیات کے حساب کی روشنی میں چاند کا نظر آنا ممکن ہی نہ ہو، یعنی ابھی چاند پیدا ہی نہ ہوا ہو جیسے کوئی ۲۷، ۲۸ تاریخ کو مغرب کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دے تو چاند دیکھنے والے کی شہادت کو غلطی پر محمول کیا جائے گا۔ ایسا ایک واقعہ رمضان ۱۴۱۸ھ میں پشاور میں پیش آیا، جب مقامی کمیٹیوں نے شام ساڑھے پانچ بجے مقامی وقت کے مطابق چاند دیکھنے کا اعلان کر دیا حالانکہ فلکی ماہرین کے مطابق چاند کی پیدائش اس رات کو نو بج کر ستاون منٹ پر متوقع تھی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ فلکی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ ہلال کی پیدائش کے وقت پر اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی پیدائش پورے عالم میں ایک ہی وقت پر ہوتی ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اس کی ولادت سے پہلے اسے افق میں دیکھنا مستحیل ہے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ فلکی ماہرین کے حسابات کے اعتبار سے چاند نظر آنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں کے ذہنوں میں چاند دیکھنے کی دھن سوار ہوتی ہے انہیں کہیں نہ کہیں سے چاند نظر آ جاتا ہے جس کی عام طور پر دو توجیہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ عام تخیل و تصور میں چاند کی رؤیت کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ دور سے چاند جیسی کوئی چیز نظر آنے پر یوں لگتا ہے کہ چاند نظر آ گیا ہے اور یہ حقیقت میں وہم ہوتا ہے اور وہم میں کوئی انسان بھی مبتلا ہو سکتا ہے اور اس سے اس کی عدالت اور سچائی پر کوئی حرف نہیں آتا۔

۲۔ بعض مرتبہ بھوؤں کا کوئی بال وغیرہ آنکھ کے سامنے آ جاتا ہے جس سے یوں لگتا ہے کہ چاند نظر آ گیا، ایسا ہی ایک واقعہ حضرت انسؓ کے ساتھ بھی پیش آیا، تو جب ایک نوجوان نے ان کی آنکھ سے بھوؤں کا بال ہٹا کر ان سے پوچھا کہ کیا اب بھی نظر آ رہا ہے تو فرمایا کہ: اب تو نظر نہیں آ رہا۔

تو وہ صورتیں جن میں فلکی حساب کے اعتبار سے چاند نظر آنے کا کوئی امکان نہ ہو، پھر بھی اگر کوئی چاند نظر آنے کی شہادت دے دے تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس سے غلطی یا وہم ہو گیا ہے اور اس کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔(۲۴)

فلکی حسابات کی روشنی میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نظر آنے والا چاند سورج کے دائیں ہو گا یا بائیں، اس کا رخ کس طرف ہو گا اور س کی موٹائی کتنی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ ان معلومات کے حاصل ہونے کے بعد قاضی اور رؤیت ہلال کمیٹی کے لیے شہادت کو پرکھنا آسان ہو جائے گا جس کے نتیجے میں حقیقت پر مبنی فیصلے ہونے کے امکانات بہت زیادہ بڑھ جائیں گے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہلال کی نوکیں ہمیشہ سورج سے مخالف سمت میں ہوتی ہیں، اگر کوئی چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے لیکن گواہی کے اندر چاند کی نوکوں کو سورج کی سمت بتائے تو اس کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا۔(۲۵)

اس پوری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ثبوت رؤیت ہلال کے لیے گواہوں کا محض ثقہ و عدل ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ فنی امور کی تحقیق بھی لازمی ہے۔ اگر فنی طور پر ہلال کے دیکھنے کا امکان ہی نہیں ہے تو ایسی گواہی خطا یا وہم پر محمول کی جائے گی۔ امام قاضی تقی الدین السبکی الدمشقیؒ فرماتے ہیں:

"فینظر القاضی فی حال الشهود بعد تحقق عدالتهم و تیقظهم و براء تهم من الريبة والتهمة و سلامة حواسهم و حِدّة نظرهم و سلامة الافق و محل الهلال مما يشوش الرؤية و معرفة منزلة الهلال التی یطلع فیها وما یقتضیها الحساب من إمكان رؤيته وعدمها، فالمشهود به شرطه الامكان،و إذا كان يشترط فی الاقرار الامكان، والمقر مخبر عن نفسه محترز عليها، فما ظنك بالشهادة؟......"

(یعنی قاضی کو چاہیے کہ گواہوں کی عدالت اور سچائی اور ان کے شک و تہمت سے مبرا ہونے کی تحقیق کرے اور یہ بھی دیکھے کہ فنی طور پر کیا رؤیت ممکن بھی ہے یا نہیں)۔

آگے لکھتے ہیں:

"فليس من الرشد قبول الخبر المحتمل لذلك او الشهادة مع عدم الامكان لأن الشرع لا يأتی بالمستحيلات، وهذه المسألة لم نجدها مسطورة، فتفقّهنا فيها، و رأينا فيها عدم قبول الشهادة، و إنما سكت الفقهاء عنها لأنها نادرة الوقوع، ولما وقعت فی هذا الزمان احتجنا إلى الكلام فيها والفقفه بحر لاساحل له تتجدد مسائله بتجدد وقائعه"

(یعنی عدم امکان رؤیت کے ساتھ اس کے بارے میں محتمل خبر یا گواہی قبول کرنا کسی طرح بھی درست نہیں)

آ گے لکھتے ہیں:

"وقد رأينا من يوثق بعقله و دينه يغلط فی رؤية الهلال كثيرا، وسمعنا بعض الجهال أنه يقصد التدين بالشهادة بذلك، و يعتقد أن له بذلك أجر من صام بقوله، و سمعنا عن بعض السفهاء أنه يقصد بذلك ترويج تزكيته و ثبوت عدالته، و للناس أغراض مختلفه"

"فاذا سلمت البينة من هذه الأمور كلها و سلم موضع الهلال من الموانع و حاسة الشاهد من الآفات قبلناه إذا جوزنا الرؤية. فان استحلناها بدليل قام عندنا لم تقبل تلك الشهادة و حملناها على الغلط أو الكذب ولم نكن بذلك خارجين عن القانون الشرعی".

(یعنی اگر ہلال دیکھنے والے کی گواہی تمام موانع و شبہات وغیرہ سے محفوظ پائی گئی تو اسے قبول کر لیا جائے گا بشرطیکہ رؤیت ممکن ہو (یعنی ہلال کا نظر آنا فنی طور پر ممکن ہو) اور اگر رؤیت ممکن ہی نہ ہو (جیسے ہلال ابھی تک پیدا ہی نہ ہوا ہو) تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی بلکہ اسے غلطی یا کذب پر محمول کیا جائے گا۔

اس کی وجہ آگے یہ لکھتے ہیں:

"لأن دلالة الحساب القطعی أو القريب من القطعی على عدم الامكان أقوى من الريبة، والريبة موجب لرد الشهادة، فاعتقادنا عدم الامكان كذلك أقوىٰ، و مقصودنا بذلك القطع بردها......" (۲۶)

کیونکہ فلکی حسابات کی عدم امکان رؤیت پر دلالت قطعی یا قطعی کے قریب ہے جو شک سے زیادہ قوی ہے اور شک شہادت کے رد کا موجب ہے تو جو چیز شک سے زیاہ قوی ہوگی وہ من باب اُولی رد شہادت کا موجب ہوگی۔

اصلاحی تجاویز

یہاں پر اصلاح اور خیرخواہی کے پیش نظر چند امور کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے:

۱۔ ملک میں حکومت کی طرف سے مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی قائم ہے جس کی حیثیت دارالعلوم کراچی کے فتویٰ کے مطابق قاضی کی ہے، لہٰذا اس کمیٹی کے فیصلے کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور علماء کرام کو بھی چاہیے کہ وہ عوام کو اسی کمیٹی کے اعلان کے مطابق عمل کرانے کی کوشش کریں کیونکہ مرکزی رؤیت ہلال کو ولایت عامہ حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ شہادتوں کو وصول کر سکتی ہے

جو عیدین اور بعض صورتوں میں رمضان کے لیے ضروری ہیں۔(۲۷)

۲۔ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے ہوتے ہوئے متوازی کمیٹیاں بنانا اور ان کی شہادتوں کو وصول کر کے اپنے طور پر فیصلہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اس میں بہت سارے مفاسد ہیں جیسا کہ متعلقہ علاقوں میں ان کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، ان کمیٹیوں کو چاہیے کہ اپنی شہادتیں شرعی طریقے سے سرکاری کمیٹی تک پہنچائیں اور سرکاری کمیٹی شرعی ضوابط کی روشنی میں ان شہادتوں کے مطابق عمل کرے۔

۳۔ مقامی کمیٹیوں کو رؤیت ہلال کے اعلان کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ صوبائی کمیٹی بھی اپنی شہادات مرکزی کمیٹی تک پہنچائے گی اور از خود اعلان نہیں کرے گی۔ کیونکہ صوبائی کمیٹی کی ولایت ذاتی نہیں مستعار ہے اگر ہر کمیٹی اپنا اعلان شروع کر دے تو اسلامی شعائر کا اللہ ہی حافظ ہے۔

۴۔ اگر مرکزی کمیٹی کو شہادت کے شرعی اصول کے مطابق مقامی کمیٹی کی شہادت پر اطمینان نہ ہو تو اس کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس شہادت کو رد کر دے اور اس صورت میں مقامی کمیٹی پر واجب ہے کہ وہ اس کی اتباع کرے۔

”لأن القاضی له النظر فی الشهادة فیقبل إن كان وفق قانون الشرع و يَرد ان كان لا یوافقه“

البتہ ان میں سے جن لوگوں نے خود چاند دیکھا ہو اُن پر روزہ رکھنا واجب ہے لیکن عید کی صورت میں عید عام لوگوں کے ساتھ کریں گے۔

۵۔ اگر بالفرض مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی میں کچھ خامیاں ہوں جیسا کہ متعلقہ علاقوں کے لوگ عموماً مختلف قسم کے اعتراضات کرتے ہیں تو اس صورت میں بھی عام حالات میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے کو لینا چاہیے کیونکہ اس صورت میں ”أهون البلیتین“ پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہوگا، کیونکہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق عمل کرنے سے امت فتنہ و انتشار سے بچ جاتی ہے بخلاف متوازی غیر سرکاری کمیٹیوں کے، کہ ان کے اعلانات سے عوام میں فتنہ و انتشار پیدا ہوتا ہے، قتل و قتال تک نوبت آ جاتی ہے، لوگ دین واہل دین کے بارے میں شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اور سوء ظن میں مبتلاء ہو جاتے ہیں جس کا مشاہدہ ہر سال رمضان اور عیدین کے موقع پر ان علاقوں میں ہوتا ہے جہاں متوازی کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں۔(۲۸)

سب سے اہم مسئلہ امت کو انتشار و افتراق کے مضر اثرات سے بچانا اور اتفاق و اتحاد کو یقینی بنانا ہے جو نہایت ضروری ہی نہیں بلکہ مقصد المقاصد اور مصلحۃ المصالح ہے اور موجودہ صورت حال سے

جو تفرقہ، اختلاف اور انتشار پیدا ہو رہا ہے اور ایک ہی شہر میں دو دو بلکہ تین تین عیدیں ہو رہی ہیں جس سے قوم کا اتحاد پارہ پارہ ہو رہا ہے اسے ختم کرنا ہے۔کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ نماز عید کا عظیم اجتماع جو حقیقت میں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا مظہر تھا اس کو اختلاف و انتشار کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔

جمہور فقہاء حنفیہ(۲۹) و مالکیہ (۳۰) و شافعیہ(۳۱) نے تو ایک مسجد میں تکرار جماعت یعنی فرض نماز باجماعت دہرانے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے امت میں انتشار و افتراق کا خطرہ ہے، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

”و إذا كان للمسجد إمام راتب ففاتت رجلا أو رجالاً فيه الصلاة، صلوا فرادى، ولاأحب أن يصلوا فيه جماعة، فإن فعلوا أجزأتهم الجماعة فيه...... و أحسب كراهية من كره ذلك منهم إنما كان لتفرق الكلمة و أن يرغب رجل عن الصلاة خلف إمام جماعة فيتخلف هو ومن أراد عن المسجد فى وقت الصلاة، فإذا قضيت دخلوا فجمعوا فيكون فى هذا اختلاف و تفرق كلمة و فيهما المكروه“(۳۲)

یعنی جب ایک مسجد کا رسمی امام ہو اور چند لوگ جماعت سے رہ جائیں تو وہ انفرادی نماز پڑھیں اور مجھے پسند نہیں کہ وہ (دوبارہ) جماعت کرائیں، اور اگر کرائیں تو نماز (کراہۃ) ہو جائے گی۔ آگے فرماتے ہیں: میرے خیال میں سلف میں جن حضرات نے تکرار جماعت کو مکروہ کہا ہے اس کی وجہ امت میں تفرقہ و انتشار کا (خطرہ) ہے۔

امام ابن العربی آیت (و تفريقاً بين المسلمين) (۳۳) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”يعنى أنهم كانوا جماعة واحدة فى مسجد واحد، فأرادوا أن يُفرقوا شملهم فى الطاعة و ينفردوا عنهم للكفر والمعصية، وهذا يدلك على أن المقصد الاكبر والغرض الاظهر من وضع الجماعة تأليف القلوب...... ولهذا المعنى تفطّن مالك. رضى الله عنه. حين قال، إنه لا تُصلى جماعتان فى مسجد واحد لا بإمامين ولا بإمام واحد...... حيث كان ذلك تشتيتاً للكلمة و إبطالاً لهذه الحكمة“(۳۴)

یعنی مسلمان ایک مسجد میں ایک جماعت تھے، انہوں (منافقین) نے ان کے درمیان نیکی میں تفریق ڈالنے کی کوشش کی اور کفر و نافرمانی کی وجہ سے ان سے علیحدہ ہونے لگے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کا بڑا مقصد اور واضح غرض تالیف القلوب ہے...... لہٰذا اِمام مالک کی فطانت نے اس معنی کو سمجھ لیا۔ جب آپ نے فرمایا کہ ایک مسجد میں

دو جماعتیں کرانا درست نہیں، چاہے وہ دو اماموں سے ہوں یا ایک امام سے، جب یہ تفرقہ کا سبب اور اس حکمت (یعنی اتحاد) کے ابطال کا موجب بنیں۔

امام باجی مالکی فرماتے ہیں:

"ولو جاز الجمع في مسجد مرتين لكان ذلك داعية إلى الافتراق والاختلاف" ولكان أهل البدع يفارقون الجماعة بإمامهم و يتأخرون من جماعتهم ثم يُقَدِّمون منهم، ولو جاز مثل هذا لفعلوا مثل ذلك بالامام الذى تؤدى اليه الطاعة فيؤدى ذلك إلى اظهار منابذة الائمة و مخالفتهم و مفارقة الجماعة فوجب [أن يغلق] عليهم هذا الباب"(۳۵)

(یعنی اگر ایک مسجد میں تکرار جماعت کو جائز قرار دے دیا جائے تو یہ افتراق و اختلاف کا سبب بنے گا اور اہل بدعت لوگ اپنے امام کے ساتھ (پہلی) جماعت کا بائیکاٹ کر کے اس کے بعد اپنے امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے، اور اگر یہ جماعت کے امام کے ساتھ کر سکتے ہیں تو پھر امام اعظم (حاکم) کے ساتھ بھی کر سکتے ہیں جس کی اطاعت ان پر واجب ہے، تو اس طرح یہ امام (حاکم) کی منابذت و مخاصمت اور جماعت سے مفارقت کا موجب بنے گا، لہذا لازم ہے کہ یہ دروازہ ہی بند کر دیا جائے (یعنی تکرار جماعت سے منع کر دیا جائے)۔

بلکہ جن فقہاء نے تکرار جماعت کو مستحب کہا ہے، یہ حکمت اور معنی ان کے ذہن سے بھی غائب نہیں ہوا لہٰذا انہوں نے بھی جواز تکرار جماعت کو اس بات سے مشروط کر دیا ہے کہ وہ انتشار، اختلاف اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی کا سبب نہ بنے لہذا امام ابن حزم فرماتے ہیں:

"...... و أما نحن فإن من تأخر عن صلاة الجماعة لغير عذر لكن قلة اهتبال او لهوى أو لعداوة مع الامام فإننا ننهاه......" (۳۶)

(یعنی جو کوئی جماعت سے بغیر عذر، بے پرواہی یا ذاتی خواہش یاامام کے ساتھ دشمنی (اختلاف) کی بنیاد پر لیٹ ہوگا تو ہم اسے تکرار جماعت سے منع کرتے ہیں)

اسی لیے امام احمد بن حنبل کے ہاں دوسری روایت میں تکرار جماعت مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ:

"لئلا يُفضى إلى اختلاف القلوب"(۳۷)

(تاکہ وہ دلوں میں اختلاف کی وجہ نہ بنے)

اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر فرض نماز میں تکرار جماعت سے اس لیے منع کیا جا رہا

ہے کہ اس سے اختلاف و افتراق کا خطرہ ہے، حالانکہ فرض نماز میں جماعت کی اہمیت و فضیلت بالکل واضح ہے۔ تو پھر عید میں بغیر شرعی عذر کے تکرار کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔ حالانکہ عید کے تکرار میں افتراق و اختلاف کا خطرہ فرض نماز کی جماعت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے کیونکہ عید کا اجتماع نماز فرض کے اجتماع سے کہیں بڑا ہوتا ہے، یہاں تو تکرار من باب اولی ممنوع ہونا چاہیے۔ اسی لیے بعض اہل علم نے ایک شہر میں بغیر ضرورت کے تعدد جمعہ سے منع فرمایا ہے۔ اور کہا ہے اگر نماز جمعہ کے لیے ایک مسجد سب کے لیے کافی ہو تو دو مسجدوں میں نہیں پڑھایا جائے گا(۳۸) اور امام تقی الدین سبکیؒ نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام رکھا ہے: "**الاعتصام بالواحد الأحد من إقامة جمعتين في بلد**". (۳۹)

یہاں یہ بات بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ فرض نماز یا عیدین میں تکرار جماعت کی ممانعت ذاتی (فی ذاتہ) نہیں ہے بلکہ اس تکرار کی وجہ سے افتراق و اختلاف کی صورت میں جو مفاسد پیدا ہو رہے ہیں یہ ممانعت ان کی وجہ سے ہے کیونکہ جو چیز ممنوع کی طرف لے جائے وہ بھی ممنوع ہوتی ہے اور مآلات اہل علم کے ہاں معتبر ہیں۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"**النظر في مآلات الافعال معتبر شرعاً...... و ذلك ان المجتهد لا يحكم على فعل من الافعال الصادرة عن المكلفين بالاقدام أو بالاحجام الا بعد نظره إلى ما يؤول إليه ذلك الفعل". إلى أن قال. "يكون الفعل في الاصل مشروعاً لكن ينهى عنه لما يؤول اليه من المفسدة"**(۴۰).

یعنی مآلات کو دیکھنا (خیال کرنا) شرعاً معتبر اور مقصود ہے اور یہ کہ مجتہد مکلفین کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم نہ دے یہاں تک کہ اس کے مآل کو نہ دیکھ لے اور آگے فرماتے ہیں کہ: فعل (کبھی کبھی) اصل میں مشروع ہوتا ہے لیکن اس سے اس لیے منع کر دیا جاتا ہے کہ اس کی مآل مفسدۃ کی طرف لے جاتی ہے۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

"**الفعل أو القول المفضي إلى المفسدة نوعان...... والثاني: أن تكون (الافعال أو الاقوال) موضوعة للافضاء إلى أمر جائز أو مستحب، فتتخذ وسيلة إلى المحرم اما بقصده أو بغير قصد منه...... كمن يصلي تطوعاً بغير سبب في اوقات النهي أو يَسُبّ ارباب المشركين بين اظهرهم......**" (۴۱)

"**ثم دلّل على المنع بوجوه فقال: "الوجه الثامن والثلاثون: إن الشارع أمر بالاجتماع**

على امام واحد فى الامامة الكبرى، وفى الجمعة والعيدين والاستسقاء و صلاة الخوف مع كون صلاة الخوف بأمامين اقرب إلى حصول صلاة الامن، وذلك سداً لذريعة التفريق والاختلاف والتنازع و طلباً لاجتماع القلوب و تآلف الكلمة، وهذا من أعظم مقاصد الشرع"(۴۲)

یعنی وہ اقوال یا افعال جو مفسدہ کی طرف لے جاتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں...... دوسری قسم یہ ہے کہ (بعض) افعال و اقوال اصل میں جائز یا مستحب امر کے لیے ہوں لیکن ان کو قصداً یا بغیر قصد کے فعل محرم کا ذریعہ بنا لیا جائے جیسے کوئی اوقات نہی میں نفلی نماز پڑھے جس کا کوئی سبب نہ ہو یا مشرکین کے سامنے ان کے معبودوں کو گالیاں دے۔"

آگے اس فعل سے ممانعت کی علت اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ "شارع نے حکومت کے حوالے سے ایک امام (حاکم) پر اتفاق کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اسی طرح جمعۃ، عیدین، استسقاء اور صلاۃ الخوف میں بھی یہی حکم فرمایا ہے، حالانکہ صلاۃ الخوف میں دو اماموں کے ساتھ امن کی نماز زیادہ یقینی ہے۔ اصل میں شارع اس حکم کے ذریعہ اختلاف و افتراق اور تنازع کی وجوہ کو ختم کرنے اور دلوں میں تآلف اور ہم آہنگی کو فروغ دینا چاہتا ہے اور یہ شارع کے بڑے مقاصد میں سے ہے"۔

حاصل بحث یہ ہے کہ ملک میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی۔ جس کی حیثیت قاضی کی ہے۔ کے فیصلے کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ متوازی کمیٹیاں بنا کر شہادتوں کو وصول کر کے اپنے طور پر فیصلے نہیں کرنے چاہئیں۔ یہ شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بہت سارے مفاسد ہیں مثلاً امت میں فتنہ و انتشار پیدا ہوتا ہے، لوگ دین و اہل دین کے بارے میں شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی نوبت جدال و قتال تک پہنچ جاتی ہے۔

امت کو انتشار و افتراق کے مضر اثرات سے بچانا اور اتفاق و اتحاد اور دلوں میں ہم آہنگی کو یقینی بنانا شریعت کے اہم مقاصد میں سے ہے اور اس کی تحقیق کے لیے بعض اعمال مستحبات کو چھوڑنا بھی جائز ہے، امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"...... و يستحب للرجل أن يقصد إلى تأليف القلوب بترك مثل هذه المستحبات، لأن مصلحة التأليف فى الدين أعظم من مصلحة فعل مثل هذا"(۴۳)

آدمی کو چاہیے کہ تألیف قلوب کے لیے کوشاں رہے چاہے اس کے لیے (بعض) مستحبات

بھی چھوڑنے پڑیں کیونکہ دین میں تألیف قلوب کی مصلحت (و ضرورت) مستحبات سے کہیں بڑی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ "إذا رأیتم الهلال فصوموا" ۱۱۹/۴ (طبع دارالافتاء الریاض) و صحیح مسلم، باب فضل شهر رمضان ۷۵۹/۲ (طبع دار احیا التراث العربی، تحقیق محمد فواد عبدالباقی)۔

۲۔ دیکھیے: امام سرخسی: المبسوط ۱۱۵/۱۶ (دارالمعرفۃ بیروت) امام شافعی: الام ۲۳۲/۶ (دارالمعرفۃ بیروت) امام ابن قدامۃ: المغنی ۱۹۹/۱۴ (طبع ہجر للطباعۃ، القاہرۃ) مفتی محمد شفیع: رؤیت ہلال ص ۶۱ (ادارۃ المعارف، کراچی)۔

۳۔ مفتی محمد شفیع: رؤیت ہلال، ص ۶۲، سیّد محمد میاں صاحب: رؤیت ہلال رمضان و عید کے مسائل و دلائل، ص ۹۵ (طبع ہند)۔

۴۔ مفتی محمد شفیع: رؤیت ہلال، ص ۶۵-۶۷ و سید محمد میاں: رؤیت ہلال، ص ۹۳-۹۴۔

۵۔ صحیح البخاری،کتاب الصوم، باب إذا رأیتم الهلال فصوموا ۱۱۹/۴، و صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل شهر رمضان ۷۵۹/۲-۷۶۲۔

۶۔ دیکھیے: ابن عابدین: ردالمحتار ۱۳۱/۲ (طبع البابی الحلبی، القاہرۃ)، ابن جزی: القوانین الفقهیة، ۱۱۶ ص مطبعۃ النہضۃ بفاس،مراکش) البہوتی: کشاف القناع ۳۵۳/۲ (طبع مکۃ المکرمۃ)، ابن عبدالبر: التمهیدلمانی الموطامن المعانی والاسانید ۳۵۶/۱۴، ۳۵۸ (طبع مراکش) الشنقیطی: تبیین المسالك لتدریب السالك الی اقرب المسالك ۱۴۵/۲ (طبع دارالعرب الاسلامی)۔

۷۔ البحر الرائق ۲۷۰/۲

۸۔ دیکھیے: المغنی ۳۲۸/۴

۹۔ صحیح البخاری،کتاب الصوم، باب "إذا رأیتم الهلال فصوموا" ۱۱۹/۴، و صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل شهر رمضان ۷۶۲/۲ و مسند احمد ۳۰۶/۱ و جامع الترمذی، کتاب الصیام باب ما جآء "لا تقدموا اشهر بصوم" ۳۶۳/۳ (مع تحفة الاحوذی، المکتبة السلفیة).

۱۰۔ دیکھیے: الشربینی، مغنی المحتاج ۴۲۲/۱ (طبع مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرۃ) والنووی: شرح صحیح مسلم ۱۹۷/۷ (طبع دارالاحیاء العربی، بیروت)۔

۱۱۔ صحیح مسلم فی الصیام باب بیان ان لکل بلد رؤیتهم ۷۶۵/۲، و ابو داؤد فی الصیام باب اذا رؤی الهلال فی بلد قبل الآخرین بلیلة ۷۴۸/۲ (طبع دار الحدیث) والترمذی فی الصوم باب لکل اهل بلد رؤیتهم ۳۷۶/۳، والنسائی فی الصوم باب اختلاف اهل الآفاق فی الرؤیة ۱۳۱/۴ (طبع حلب-سوریا)۔

۱۲۔ دیکھیے: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: جدید فقہی مسائل ۳۵/۲ (پروگریسو بکس لاہور) و رؤیت ہلال از مفتی محمد شفیع صاحب، ص ۷۰۔

۱۳۔ دیکھیے: الکاسانی، بدائع الصنائع ۸۳/۲ (طبع سعید اینڈ کمپنی کراچی)۔

۱۴۔ دیکھیے: الزیعی: تبیین الحقائق ۳۲۱/۱ (مکتبۃ امدادیۃ-ملتان)۔
۱۵۔ جدید فقہی مسائل ۳۸/۲
۱۶۔ دیکھیے: رؤیت ہلال از مفتی محمد شفیع صاحب، ص ۷۲-۷۳۔
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ سورۃ الطلاق، الآیۃ ۲
۱۹۔ دیکھیے: مفتی محمد شفیع صاحب، رؤیت هلال، ص ۵۴-۵۶
۲۰۔ سورۃ الحجرات، الآیۃ: ۶
۲۱۔ دیکھیے: معین الحکام، ص ۱۴۵، نقلا عن رؤیت ہلال لمفتی محمد شفیع، ص ۵۷۔
۲۲۔ دیکھیے: مفتی محمد شفیع صاحب، رؤیت هلال، ص ۵۷، و رؤیت هلال رمضان و عید از سید محمد میاں صاحب، ص ۹۷۔
۲۳۔ دیکھیے: الکاسانی، بدائع الصنائع ۸۱/۲-۸۲، و رؤیت هلال رمضان و عید، ص ۹۳۔
۲۴۔ یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ فلکی حسابات غیر یقینی ہیں اور بعض مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ چاند کی تخلیق سے پہلے چاند دیکھا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوا ہے تو وہ نادر ہے (ولاحکم للنادر) اور اس میں وہم کا احتمال بہرحال موجود ہے۔
۲۵۔ دیکھیے: ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، آسان فلکیات، ص ۴۷، ۷۹، مکتبۃ الاسلام، کراچی۔
۲۶۔ دیکھیے: امام قاضی تقی الدین السبکی، کتاب العلم المنشور فی اثبات الشهور، ص ۲۳-۲۸۔
۲۷۔ دیکھیے: دارالعلوم کراچی، فتاویٰ دارالعلوم، فتویٰ نمبر ۲۳/۸۶۰، تاریخ ۲۰۰۶/۳/۲۹۔
۲۸۔ دیکھیے: دارالعلوم کراچی، فتاویٰ دارالعلوم نمبر ۱۰/۷۴۲۔
۲۹۔ دیکھیے: امام محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب الاصل ۱۳۴/۱، طبع الہند ۱۳۹۳ھ، السمرقندی، تحفة الفقهاء ۱۸۸/۱، دارالفکر دمشق، ابن عابدین، الدرالمختار، طبع الحلبی ۱۳۸۶ھ۔
۳۰۔ دیکھیے: الامام مالک، المدونة الکبریٰ (روایة سحنون) ۸۹/۱، دارالفکر ۱۴۱۱ھ، الامام ابن عبدالبر، الاستذکار فی مذاهب فقهاء الامصار ۶۳/۴، طبع القاہرۃ ۱۳۹۳ھ، الدر دیر، الشرح الصغیر ۴۳۲/۱، ۴۴۲ دارالمعارف مصر ۱۳۹۲ھ، الباجی، المنتقی شرح الموطا ۱۳۷/۱، دارالکتاب العربی، بیروت
۳۱۔ الامام الشافعی، الام ۲۷۸/۱، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۳ھ، النووی، المجموع فی شرح المهذب ۲۲۲/۴ دارالفکر، دمشق، الشربینی، مغنی المحتاج ۲۳۴/۱ دارالفکر، البغوی، شرح السنة ۴۳۷/۳، المکتب الاسلامی ۱۳۹۰ھ۔
۳۲۔ دیکھیے: الامام الشافعی، کتاب الام ۲۷۸/۱۔
۳۳۔ سورۃ التوبہ، الآیۃ ۱۰۷
۳۴۔ ابن العربی، احکام القرآن ۵۸۷/۲، دارالفکر۔
۳۵۔ الباجی: المنتقی ۱۳۷/۱۔
۳۶۔ دیکھیے: ابن حزم، المحلی ۲۳۷/۴، دارالفکر۔
۳۷۔ دیکھیے: ابن مفلح الحنبلی، المبدع شرح المقنع ۴۶/۲، ۴۷، المکتب الاسلامی، بیروت۔
۳۸۔ ابن قدامۃ، المغنی ۲۱۳/۳

۳۹۔ منشور ضمن فتاویہ۔

۴۰۔ دیکھیے: الام الشاطبی، **الموافقات ۵/۱۷۷، ۱۷۸**، دار ابن عفان ۱۴۱۷ھ۔

۴۱۔ دیکھیے: الامام ابن القیم، **اعلام الموقعین ۳/۱۳۶**، دارالجیل، بیروت۔

۴۲۔ ایضاً، ۳/۱۴۵۔

۴۳۔ دیکھیے: الامام ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی ۲۲/۴۰۵، ۴۰۷**، طبع المغرب۔